علم و علمائے دین اور اسلامی تحریکیں

جناب منیر احمد خلیلی صاحب

عالمی اسلامی تحریکوں میں شامل افراد کا ایک سرسری سا جائزہ یہ حقیقت ہمارے سامنے کھول کر رکھتا ہے کہ ان کی دعوت اور پروگرام سے اتفاق کرنے والے لوگوں میں اعلیٰ اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کا تناسب غالب ہے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء اور طالبات، وکلاء اور اساتذہ، ڈاکٹر اور انجینئر اور سرکاری ملازمین کے مختلف درجوں کے لوگ ان تحریکوں میں نہ صرف ایجابی انداز کی دلچسپی رکھتے ہیں، بلکہ ان کی کامیابی کے متمنی اور اپنے اپنے دائرے میں اس کے لیے کوشاں ہیں۔ یہ ایک اعتبار سے ان تحریکوں کے لیے باعثِ فخر اور قابلِ اطمینان امر ہے۔ پڑھا لکھا اور صاحب الرائے اور صائب الرائے طبقہ جس بھی تنظیم یا تحریک کا حامی ہو، اس کا کام بہت آسان اور منزل بہت قریب آجاتی ہے۔ اس لیے کہ اس طبقہ کو ایک تو جدید معاشروں میں اثر و نفوذ حاصل ہے، دوسرے کلیدی سطحوں پر اس طبقے کا گہرا عمل دخل ہوتا ہے۔ پڑھے لکھے اور جدید تعلیم یافتہ طبقے کی وابستگی سے یہ چیز بھی عیاں ہوتی ہے کہ ان دینی تحریکوں کی دعوت فہم و شعورِ انسانی کو اپیل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس دعوت میں نہ تو کوئی مافوق الفطرت اور مافوق الذہن عنصر ہے، جس تک انسانی شعور اور فراست کی رسائی نہ ہو سکے، نہ ہی یہ دعوت ایسی فرسودہ اور از رفتہ قسم کی ہے جسے عام درجہ کی سوچ اور سمجھ میں بھی بار نہ مل سکے۔

بدقسمتی یہ رہی ہے کہ صدیوں پر محیط عرصے سے دین و دنیا کی تقسیم کا باطل تصور آج بھی مائج الوقت سکے کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج بھی زندگی میں ایسی لکیریں کھنچی ہوئی ہیں جو دُنیاوی اُمور اور دینی معاملات کی حدود کی نشان دہی کرتی ہیں۔ اپنی دینداری، زندگی اسلام سے محبت اور عملی تعلق کے باوجود جن جدید اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقوں کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے وہ دُنیاداری کے زُمرے میں آتے ہیں۔ وہ جس زیورِ تعلیم سے آراستہ ہیں وہ تعلیم فی الواقع مادّی تقاضوں کی تکمیل اور دُنیاوی اُمورِ زندگی ہی سے بحث کرتی ہے۔ وہ تعلیم اپنی پُشت پر جس اکتسابی ماحول اور طریق کار کا پس منظر رکھتی ہے وہ بھی سراسر مادّی اور غیر دینی ہے، چنانچہ غیر شعوری طور پر اس تعلیم یافتہ طبقے میں بھی اپنی تعلیم پر تفاخر اور دینی تعلیم کے بارے میں استخفاف اور سبک فکری کی سی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ دینی تعلیم حاصل کرنے اور دینی مدارس کی چٹائیوں پر بیٹھنے والے مدارس عربیہ کے طلبا اور ان کے دراز ریش، دلق پوش اور فقیر منش اساتذہ کے بارے میں دنیوی تعلیم سے مزین حضرات کے دل میں جو جذبہ پھوٹتا ہے وہ احترام و توقیر کے بجائے ترس اور ترحّم کا جذبہ ہوتا ہے۔ دین کی تعلیم پانے اور دینے والوں کی سعادت کا احساس کرنے کے بجائے ان کی بے چارگی کا خیال زیادہ ستاتا ہے۔ تہذیبِ مغرب کے تسلّط اور غلبے کے باعث دینی تعلیم کے اشغال ضیاعِ وقت اور نکبت و عسرت، بدحالی و پس ماندگی کمانے کے مترادف نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غلبۂ دین اور فروغِ دعوتِ اسلام کے متمنی اور اسلامی تحریک میں ہمہ تن سرگرم لوگوں میں سے بھی ایک بہت بڑی اکثریت اپنے بچوں کو دینی تعلیم میں مہارت حاصل کرنے پر لگانے کے بجائے انھیں ڈاکٹر، انجینیر، قانون دان، کاروباری اور اعلیٰ سول یا فوجی افسر کے روپ میں دیکھنے کی خواہاں ہوتی ہے۔ کیونکہ دُنیاوی عزت و وجاہت اور جاہ و مال اور فارغ البالی اور خوش حالی کی منزل تک جانے والے تمام راستے اِن مراتب و مناصب سے ہو کر جاتے ہیں۔

ہمارا اس بات پر اصرار ہرگز نہیں ہے کہ خیر و صلاح، نیکی اور بھلائی اور ایثار و

اخلاص کا مادہ جدید تعلیم یافتہ حضرات میں سرے سے موجود ہی نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی ضروری نہیں سمجھتے کہ دینی علوم کے تمام ماہرین اور علما ان اوصاف کے ضرور حامل ہوتے ہیں۔ جدید تعلیم سے بلاشبہ نگاہ میں وسعت، فہم میں پختگی، مسائل و معاملات کا شعور اور دورِ حاضر کے تقاضوں کی سوجھ بوجھ حاصل ہوتی ہے۔ روشن خیالی اور بلند نظری بھی انسان میں یہ تعلیم پیدا کرتی ہے، لیکن یہ حقیقت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ جدید مادی علوم دل کا کشود، رُوح کی بالیدگی، نفس کا تزکیہ، سیرت و کردار کی تعمیر اور ملی اور دینی تقاضوں کے مطابق شخصیت سازی کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یہ کائنات کے بارے میں معلومات کو وسیع کرتے ہیں، لیکن کائنات کے خالق کے ساتھ عبدیت کے احساس سے سرشار تعلق گھٹ جاتا ہے۔ ان سے دماغ میں تنوع اور عصری افکار و نظریات کے رفیع اور پُرشکوہ قصر تو تعمیر ہوتے ہیں، لیکن قلب اُجاڑ اور سینہ ویران ہو جاتا ہے۔ تن اُجلے اور مَن میلے ہو جاتے ہیں۔ بیرون روشن اور اندرون تاریک ہو جاتا ہے۔ یہ علوم جس ماحول میں دیے جاتے ہیں اور ان میں جو سانچا بنا ہوا ہے، اُس ماحول سے نکلنے اور اُس سانچے میں ڈھلنے والے افراد خدا پرستی سے زیادہ خود پرستی پر مائل ہو جاتے ہیں۔ خوفِ خدا، فکرِ آخرت، حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، دینی غیرت کے بیج اُگنے اور بڑھنے اور پھلنے پھولنے کے لیے یہ ماحول سازگار ہوتا ہی نہیں۔

جدید تعلیم یافتگان کو علوم دین سے مزین کرنے کا اہتمام ہونا چاہیے

ہم یہ نہیں کہیں گے کہ دینی تنظیموں اور تحریکوں میں جدید تعلیم یافتہ عنصر کو کم اہم جان کر نظرانداز کیا جائے یا انھیں اپنی صفوں میں سرے سے جگہ نہ دی جائے یا ان سے کام نہ لیا جائے۔ یہ عنصر ان تحریکوں کے پاس ایک قیمتی اثاثہ ہے۔ ہم جو حقیقت اسلامی تحریکوں کے کارپردازوں کے گوش گزار کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ دینی علم اور علمائے دین کی اہمیت کو ٹھیک ٹھیک سمجھا جائے۔ انھیں توقیر و فضیلت کا مستحق تصور کیا جائے۔ اور ان کے دینی علم اور بصیرت سے پورا پورا استفادہ کیا جائے۔ وہ بڑی اکثریت جو تعلیمِ دین سے بے بہرہ ہے، اُس کو دینی علم دینے کے لیے تنظیموں اور تحریکوں کے اندر ایسا نظام وضع کیا جائے

جس کے نتیجے میں تحریک کا ہر کارکن عالم نہ بن سکے تو کم از کم شوق و لگن کے ساتھ علومِ دین کا طالب علم نظر آنے لگے۔ اِن تحریکوں کے اندر کی فضا مجموعی طور پر دیندارانہ فضا بن جائے۔ قال اللہ اور قال الرسول کے حوالے سے باتیں زیادہ ہونے لگیں اور جدید تقاضوں کو نباہتے ہوئے یہ تحریکیں صحیح معنوں میں دینی اور اسلامی روح سے سرشار ہو جائیں۔ ان پر مادیت کا تیزی سے چڑھتا ہوا زنگ اُتر جائے۔ اور رجحانات اور میلانات ظاہری اور مادی و سیاسی نتائج سے زیادہ اُخروی نتائج کی طرف ہو جائیں۔

عِلمِ حقیقی سے خوفِ خدا اور تعلق باللہ پیدا ہوتا ہے | قرآن و سنّت کے مطالعے سے ہمیں علم اور علماء کی عظمت و فضیلت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ یہ پتہ چلتا ہے کہ فکرِ آخرت اور خوفِ خدا اسی علمِ دین سے سینوں کو منوّر رکھنے والے علمائے حق کے دلوں میں پایا جاتا ہے۔ اِس حقیقت کو قرآن نے اِن الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ط۔ "حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اُس سے ڈرتے ہیں" (فاطر۔ ۲۸) مولانا مودودیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں بتایا ہے کہ علماء سے یہاں مراد فلسفہ و سائنس اور تاریخ و ریاضی وغیرہ درسی علوم کے ماہرین نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ علوم، جیسا کہ ہم نے اُوپر واضح کیا ہے کہ آدمی کو خدا شناس نہیں بناتے۔ علماء سے مراد وہی علومِ دین کے حامل لوگ ہیں جنھوں نے اسرارِ ربانی سے آگاہی حاصل کی، جو صفات و اختیارات اور حقوقِ خداوندی کے پہچاننے اور جاننے کے قابل ہوئے، جنھیں اللہ کی قدرت اور قوت، اس کے علم و حکمت اور اُس کی قہاری و جباری کی معرفت حاصل ہو گئی۔ جس کو یہ معرفت اور پہچان جتنی زیادہ ہو گی اُس کے دل میں اسی قدر اللہ کا خوف بڑھے گا، تعلق باللہ میں اضافہ ہو گا، اطاعت کی روش پختہ ہو گی۔ اُسے اپنے مقصود و مطلوب کی طرف سفر کرنے میں اعتماد، شرحِ صدر اور اطمینان و مسرّت ملے گی۔ مقصود جتنا بلند اور مطلوب جتنا عظیم ہو گا، اُس کی راہ میں قربانی کا جذبہ اور جہد و کاوش کا شوق اسی قدر فراواں ہو گا۔ خلوص اور بے ریائی، بے لوثی اور للّٰہیت

کی دولت ہاتھ آئے گی۔

علمِ دین نہ ہو تو خواہشاتِ نفس اور ظن و گمان کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ | علمِ دین نہ رکھنے والوں پر اُن کی منزل روشن نہیں ہوتی ہے۔ وہ برہان و دلیل سے محروم اور یقین سے عاری ہوتے ہیں۔ انہیں نورِ بصیرت میسّر نہیں ہوتا۔ اُن کے فیصلوں اور عملوں کی پُشت پر ایمانِ محکم اور یقینِ کامل کا سہارا نہیں ہوتا۔ معرفت و حق شناسی کے نور سے اُن کے سینے خالی ہوتے ہیں، چنانچہ انہیں اپنی جد و جہد کے لیے ظن و گمان اور تخمین و قیاس کے پیمانے استعمال کرنا پڑتے ہیں۔ اُن پر خواہشاتِ نفس کی یلغار رہتی ہے تو ان کی تحریکی اور دینی سرگرمیاں بھی خواہشاتِ نفس کی لپیٹ میں آجاتی ہیں۔ قرآن و سنت کے ٹھوس دلائل کے بجائے تاویلات و توجیہات سے کام چلانے لگتے ہیں۔ تحریکی کام کا محرک بھی ان کی بعض دنیوی اغراض بن جاتی ہیں۔ اور وابستگیوں میں ذاتی اغراض یا بعض خواہشات کی تکمیل کا جذبہ داخل ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگ اگر "داعی" بن کر لوگوں کو تحریکِ اسلامی کی دعوت دینے نکل کھڑے ہوں تو دُنیا اُن کو مسترد کرے یا قبول، تاہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُنیا والوں کو ان کے خلاف ایک سخت تنبیہ موجود ہے۔ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ " اُن لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو، جو علم نہیں رکھتے۔" (جاثیہ ۔ ۱۸)

حقائق و مطالبات ربانی کے علم و معرفت کے بغیر دعوتِ دین کا کام تو درکنار خود انسان کی عبادت و ریاضت اور زہد و ورع کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ یہ ڈر موجود رہتا ہے کہ وہ شخص جسے دُنیا زاہد و عابد کے طور پر دیکھتی اور جانتی ہے خدا کو راضی کرنے نکلے اور اپنی بے علمی اور جہالت کے سبب سے شیطان کو خوش کر کے لوٹے۔

(باقی)